

ii- محمد عمار صاحب نے صحابہ و تابعین کے قیاس کرنے کو بھی قابل توجہ نہیں سمجھا کیونکہ ان کے بقول قرآن نے اس تصور کی تائید نہیں کی اور نبی ﷺ نے بھی اس کو سند جواز عطا نہیں کی۔

تیسری خطرناکی: محمد عمار صاحب نے اس احتمال کو اختیار کیا ہے کہ صحابہ ﷺ نے اہل عرب کے دستور کی موافقت میں قانون سازی کی لیکن ساتھ ہی صحابہ اور تابعین پر دو بڑے الزام عائد کئے ہیں۔ ذرا دل کو تھام کر ان کو ایک بار پھر پڑھئے:

i- ”اگرچہ عورت کے بارے میں جاہلی معاشرت کے بہت سے تصورات اور رسوم کی اصلاح کر دی گئی، تاہم بعض تصورات..... جن میں عورت کی جان کی حرمت اور قدر و قیمت کے حوالے سے زیر بحث تصور بھی شامل ہے..... کی اصلاح کی کوششیں نتیجہ خیز اور مؤثر نہ ہو سکیں اور صحابہ و تابعین کو معروضی معاشرتی تناظر میں ایسے قوانین تجویز کرنا پڑے جن میں انہی سابقہ تصورات کی عملی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو۔“

محمد عمار صاحب نے غور نہیں کیا کہ اس الزام اور اعتراض کی زد کس پر پڑ رہی ہے۔ یہ زد پڑ رہی ہے رسول اللہ ﷺ پر اور صحابہ ﷺ پر کہ صحابہ اپنے میں سے جاہلی معاشرت کے اس تصور کو دور نہ کر سکے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو بھی کوشش کی ہوگی، وہ سب غیر مؤثر اور بے نتیجہ رہی۔

ii- منصوص احکام کے ساتھ ساتھ مستنبط اور اجتہادی قوانین و احکام کی وہ عملی صورت جو تاریخ اسلام کے صدر اول میں اختیار کی گئی مذہبی زاویہ نگاہ سے اس کے آئیڈیل اور معیار ہونے کی حیثیت پر سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے۔

نتیجہ: کوئی یہ کہے کہ محمد عمار صاحب نے یہ دو باتیں استفہام کے طور پر لکھی ہیں لہذا یہ ان کے نظریات نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ محض استفہام تو ان کی مراد نہیں ہے کیونکہ پھر ان کو کہنا چاہئے تھا کہ وہ ان کا جواب نہیں جان پائے۔ استفہام انکار ہی بھی مراد نہیں ہے کیونکہ پھر وہ ان باتوں کا جواب لکھتے۔ لہذا استفہام تقریری کی صورت متعین ہے یعنی یہ کہ جو باتیں استفہام کے طرز پر لکھی ہیں وہی ثابت ہیں۔

محمد عمار صاحب کا ایک اور دعویٰ

محمد عمار صاحب لکھتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ مرد اور عورت کی دیت میں تفریق اس کے بغیر ممکن نہیں کہ خود انسانی حیثیت میں عورت کے وجود کو مرد سے فروتر اور اس کی جان کو مرد کے مقابلے میں کم قیمت قرار دیا جائے۔ ابن قیم جیسے بالغ نظر عالم بھی اس فرق کی یہی عقلی توجیہ کرنے پر مجبور ہوئے۔“ (حدود و تعزیرات ص ۱۰۴)

ہم کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کی دیت میں تفریق مذکورہ بالا توجیہ کے بغیر بھی ممکن ہے اور وہ یہ کہ عورت میں ایک حیثیت ہے جب کہ مرد میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت جو مرد و عورت دونوں میں یکساں طور پر مشترک ہے وہ انسانی جان کی ہے۔ اس کے اعتبار سے مرد اور عورت دیت میں بھی برابر ہیں اور قتل کی صورت میں قصاص میں بھی برابر ہیں۔ دوسری حیثیت جو صرف مرد کو حاصل ہے عورت کو نہیں وہ اس کی معاشی ذمہ داری کی ہے۔ شریعت نے عورت کو اپنا خرچہ خود کمانے کا بھی مکلف نہیں بنایا ہے جب کہ مرد پر عام حالات میں عورتوں اور نابالغ بچوں کے خرچے رکھے ہیں۔ اس حیثیت کی وجہ سے مرد کی دیت کو دگنا کیا گیا ہے۔ (جاری)

مباحثہ و مکالمہ

سید منظور الحسن ☆

غامدی صاحب کے تصور سنت پر اعتراضات کا جائزہ ①

ماہنامہ ”الشریعہ“ کے ستمبر ۲۰۰۶ء کے شمارے میں جناب حافظ محمد زبیر کا مضمون ”غامدی صاحب کے تصور سنت کا تنقیدی جائزہ“ شائع ہوا تھا جواب ان کی تصنیف ”فکر غامدی ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ“ کا حصہ ہے۔ اس مضمون میں فاضل ناقد نے یہ بیان کیا ہے کہ سنت کے تصور، اس کے تعین، اس کے مصداق اور اس کے ثبوت کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف عقل و نقل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ اس موضوع پر ایک اور تنقیدی مضمون ”الشریعہ“ ہی کے جون ۲۰۰۸ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا ہے۔ یہ رسالے کے رئیس التحریر مولانا زاہد الراشدی کی تصنیف ہے۔ ”غامدی صاحب کا تصور سنت“ کے زیر عنوان اس مضمون میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ سنت کے بارے میں غامدی صاحب کا تصور جمہور امت، بالخصوص خیر القرون کے اجماعی تعامل کے منافی ہے اور عملاً سنت کے حجت ہونے سے انکار کے مترادف ہے۔ ان مضامین کے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ دونوں مضامین سنت کے بارے میں غامدی صاحب کے نقطہ نظر سے ناواقفیت اور اس کے سوء فہم پر مبنی ہیں۔ اس تحریر میں ہم حافظ زبیر صاحب کے جملہ اعتراضات کے حوالے سے بحث کریں گے۔ ان کا مضمون تفصیلی بھی ہے اور کم و بیش ان تمام اعتراضات کا احاطہ کرتا ہے جو مولانا زاہد الراشدی نے اٹھائے ہیں۔ مزید برآں یہ اسی سلسلہ مباحث کا حصہ ہے جس پر ان کے ساتھ بحث و تجویز کا سلسلہ جاری ہے۔ اس میں ہم اپنے فہم کی حد تک غامدی صاحب کے تصور سنت کو بیان کریں گے، اس موضوع پر اہل علم کی آرا کی تصفیج کریں گے اور عقل و نقل کی روشنی میں فاضل ناقدین کی تنقیدات کا جائزہ لیں گے۔ مباحث کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ غامدی صاحب کا تصور سنت

۲۔ غامدی صاحب کے تصور سنت پر اعتراضات کا جائزہ

۳۔ سنت کے ثبوت کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف پر اعتراضات کا جائزہ

۴۔ سنت کی اصطلاح کے حوالے سے غامدی صاحب اور ائمہ سلف کے موقف کا فرق

غامدی صاحب کا تصور سنت

سنت کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی کا تصور یہ ہے کہ یہ دین ابراہیمی کی روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

☆ مدیر ماہنامہ ”اشراق“، ۵۱۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

———— ماہنامہ الشریعہ (۳۴) جنوری ۲۰۰۹ء ————

اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اسے دین کی حیثیت سے امت میں جاری فرمایا ہے۔ اس کا پس منظر ان کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دین کے بنیادی حقائق اس کی فطرت میں ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا۔ پھر اس کی ہدایت کی ضرورتوں کے پیش نظر انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہ انبیاء وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے اور بنی آدم تک ان کے پروردگار کا دین پہنچاتے رہے۔ یہ دین ہمیشہ دو اجزاء پر مشتمل رہا: ایک حکمت، یعنی دین کی مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقی اساسات اور دوسرے شریعت، یعنی اس کے مراسم اور حدود و قیود۔ حکمت ہر طرح کے تغیرات سے بالاتر تھی، لہذا وہ ہمیشہ ایک رہی۔ لیکن شریعت کا معاملہ قدرے مختلف رہا۔ وہ ہر قوم کی ضرورتوں کے لحاظ سے اترتی رہی، لہذا انسانی تمدن میں ارتقا اور تغیر کے باعث بہت کچھ مختلف بھی رہی۔ مختلف اقوام میں انبیاء کی بعثت کے ساتھ شریعت میں ارتقا و تغیر کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت میں پوری انسانیت کے لیے اس کے احکام بہت حد تک متعین ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کو اسی دین کی پیروی کی وصیت کی اور سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی بنی اسرائیل کو اسی پر عمل پیرا رہنے کی ہدایت کی:

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مِنْ سَفَاهَةٍ
نَفْسُهُ... وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ
وَيَعْقُوبُ. (البقرہ: ۱۳۰، ۱۳۱)

”اور کون ہے جو ملت ابراہیم سے اعراض کر سکے، مگر
نفسہ...“ وہی جو اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کرے...۔ اور ابراہیم
نے اسی (ملت) کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی اور (اسی کی

وصیت) یعقوب نے (اپنے بیٹوں کو) کی۔“

دین ابراہیمی کے احکام ذریت ابراہیم کی دونوں شاخوں، بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں نسلاً بعد نسل ایک دینی روایت کے طور پر جاری رہے۔ بنی اسماعیل میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ کو بھی دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا۔ سورہ نحل میں ارشاد فرمایا ہے:

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَ
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. (۱۲۳: ۱۶)

”پھر ہم نے تمہیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو
جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا تو عبادات، معاشرت، خور و نوش اور رسوم و آداب سے متعلق دین ابراہیمی کے یہ احکام پہلے سے رائج تھے اور بنی اسماعیل ان سے ایک معلوم و متعین روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھے۔ بنی اسماعیل بڑی حد تک ان پر عمل پیرا بھی تھے۔ دین ابراہیمی کے یہی معلوم و متعارف اور رائج احکام ہیں جنہیں اصطلاح میں ’سنت‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید و اصلاح کے بعد اور ان میں بعض اضافوں کے ساتھ انہیں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔

یہ جناب جاوید احمد غامدی کا سنت کے بارے میں تصور ہے۔ یہ تصور ان کی کتاب ”میزان“ کے مقدمے ”اصول و مبادی“ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی تمہید میں انہوں نے دین کے ماخذ کی بحث کرتے ہوئے سنت کے بارے میں اپنا اصولی موقف ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں

میں ہم تک پہنچا ہے:

_____ ماہنامہ الشریعہ (۳۵) جنوری ۲۰۰۹ _____

۱۔ قرآن مجید

۲۔ سنت

...سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔“ (میزان

۱۳-۱۴)

اسی مقدمے میں ایک مقام پر انھوں نے سنت کے اس تصور کے پس منظر کو بیان کیا ہے۔ ”مبادی تدبر قرآن“ کے تحت فہم قرآن کے اصول بیان کرتے ہوئے ”دین کی آخری کتاب“ کے زیر عنوان یہ واضح کیا ہے کہ قرآن جس دین کو پیش کرتا ہے، تاریخی طور پر وہ اس کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے۔ دین فطرت، ملت ابراہیمی کی روایت اور نبیوں کے صحائف تاریخی لحاظ سے اس سے مقدم ہیں۔ لکھتے ہیں:

”...دین کی تاریخ یہ ہے کہ انسان کو جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجا تو اُس کے بنیادی حقائق ابتدا ہی سے اُس کی فطرت میں ودیعت کر دیے۔ پھر اُس کے ابوالآب آدم علیہ السلام کی وساطت سے اُسے بتا دیا گیا کہ اولاً، اُس کا ایک خالق ہے جس نے اُسے وجود بخشا ہے، وہی اُس کا مالک ہے اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر تنہا وہی ہے جسے اُس کا معبود ہونا چاہیے۔ ثانیاً، وہ اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے اور اس کے لیے خیر و شر کے راستے نہایت واضح شعور کے ساتھ اُسے سمجھا دیے گئے ہیں۔ پھر اُسے ارادہ و اختیار ہی نہیں، زمین کا اقتدار بھی دیا گیا ہے۔ اُس کا یہ امتحان دنیا میں اُس کی زندگی کے آخری لمحے تک جاری رہے گا۔ وہ اگر اس میں کامیاب رہا تو اس کے صلے میں خدا کی ابدی بادشاہی اُسے حاصل ہو جائے گی جہاں نہ ماضی کا کوئی پچھتاوا ہوگا اور نہ مستقبل کا کوئی اندیشہ۔ ثالثاً، اُس کی ضرورتوں کے پیش نظر اُس کا خالق وقتاً فوقتاً اپنی ہدایت اُسے بھیجتا رہے گا، پھر اُس نے اگر اس ہدایت کی پیروی کی تو ہر قسم کی گمراہیوں سے محفوظ رہے گا اور اس سے گریز کا رویہ اختیار کیا تو قیامت میں ابدی شقاوت اُس کا مقدر ٹھہرے گی۔

چنانچہ پروردگار نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اور انسانوں ہی میں سے کچھ ہستیوں کو منتخب کر کے اُن کے ذریعے سے اپنی یہ ہدایت بنی آدم کو پہنچائی۔ اس میں حکمت بھی تھی اور شریعت بھی۔ حکمت، ظاہر ہے کہ ہر طرح کے تغیرات سے بالاتر تھی، لیکن شریعت کا معاملہ یہ نہ تھا۔ وہ ہر قوم کی ضرورتوں کے لحاظ سے اترتی رہی، یہاں تک کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نبوت میں پوری انسانیت کے لیے اُس کے احکام بہت حد تک ایک واضح سنت کی صورت اختیار کر گئے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب بنی اسرائیل کی ایک باقاعدہ حکومت قائم ہو جانے کا مرحلہ آیا تو تورات نازل ہوئی اور اجتماعی زندگی سے متعلق شریعت کے احکام بھی اترے۔ اس عرصے میں حکمت کے بعض پہلوؤں کا ہونے سے اوچھل ہوئے تو زبور اور انجیل کے ذریعے سے انھیں نمایاں کیا گیا۔ پھر ان کتابوں کے متن جب اپنی اصل زبان میں باقی نہیں رہے تو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آخری پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث کیا اور انھیں یہ قرآن دیا۔...

یہ دین کی تاریخ ہے۔ چنانچہ قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں:

۱۔ فطرت کے حقائق

۲۔ دین ابراہیمی کی روایت

_____ ماہنامہ الشریعہ (۳۶) جنوری ۲۰۰۹ _____

۳۔ نبیوں کے صحائف۔“ (میزان ۴۳-۴۵)

جناب جاوید احمد غامدی کا موقف یہ ہے کہ عربوں کے ہاں دین ابراہیمی کی روایت پوری طرح مسلم تھی۔ لوگ بعض تحریفات کے ساتھ کم و بیش وہ تمام امور انجام دیتے تھے جنہیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جاری کیا تھا اور جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تصویب سے امت میں سنت کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ چنانچہ ان کے نزدیک نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نماز جنازہ، جمعہ، قربانی، اعتکاف اور ختنہ جیسی سنتیں دین ابراہیمی کے طور پر قریش میں معلوم و معروف تھیں۔ لکھتے ہیں:

”..نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ سب اسی ملت کے احکام ہیں جن سے قرآن کے مخاطب پوری طرح واقف، بلکہ بڑی حد تک اُن پر عامل تھے۔ سیدنا ابوذر کے ایمان لانے کی جو روایت مسلم میں بیان ہوئی ہے، اُس میں وہ صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی وہ نماز کے پابند ہو چکے تھے۔ جمعہ کی اقامت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ قرآن کے مخاطبین کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ نماز جنازہ وہ پڑھتے تھے۔ روزہ اُسی طرح رکھتے تھے، جس طرح اب ہم رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ اُن کے ہاں بالکل اُسی طرح ایک متعین حق تھی، جس طرح اب متعین ہے۔ حج و عمرہ سے متعلق ہر صاحب علم اس حقیقت کو جانتا ہے کہ قریش نے چند بدعتیں اُن میں بے شک داخل کر دی تھیں، لیکن اُن کے مناسک فی الجملہ وہی تھے جن کے مطابق یہ عبادات اس وقت ادا کی جاتی ہیں، بلکہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ان بدعتوں پر متنبہ بھی تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم، دونوں میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے جو حج کیا، وہ قریش کی ان بدعتوں سے الگ رہ کر بالکل اُسی طریقے پر کیا، جس طریقے پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج ہمیشہ جاری رہا ہے۔

یہی معاملہ قربانی، اعتکاف، ختنہ اور بعض دوسرے رسوم و آداب کا ہے۔ یہ سب چیزیں پہلے سے رائج، معلوم و متعین اور نسلاً بعد نسل جاری ایک روایت کی حیثیت سے پوری طرح متعارف تھیں۔ چنانچہ اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ قرآن ان کی تفصیل کرتا۔ لغت عرب میں جو الفاظ ان کے لیے مستعمل تھے، اُن کا مصداق لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ قرآن نے انہیں نماز قائم کرنے یا زکوٰۃ ادا کرنے یا روزہ رکھنے یا حج و عمرہ کے لیے آنے کا حکم دیا تو وہ جانتے تھے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج و عمرہ کن چیزوں کے نام ہیں۔“ (میزان ۴۵-۴۶)

غامدی صاحب کے تصور سنت پر اعتراضات کا جائزہ

فاضل ناقد نے اپنے مضمون میں غامدی صاحب کے تصور سنت پر بنیادی طور پر یہ تنقید کی ہے کہ غامدی صاحب کا سنت کو ملت ابراہیمی کی روایت کا حصہ قرار دینا اور اس بنا پر اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے بیان کرنا عقل و نقل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ فاضل ناقد نے اس تنقید کو چار مختلف پہلوؤں سے پیش کیا ہے۔ ذیل میں ان کا خلاصہ اور ان کے بارے میں ہمارا تبصرہ پیش ہے۔

’ملت‘ کا مفہوم

فاضل ناقد نے پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ غامدی صاحب کا سورہ نحل (۱۶) کی آیت ۱۲۳ کے الفاظ ’اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا‘ میں لفظ ’مِلَّةَ‘ کا ترجمہ ’سنت‘ کرنا درست نہیں ہے۔ یہ ترجمہ قرآن مجید کے عرف اور عربی زبان کے مسلمات

_____ ماہنامہ الشریعہ (۳۷) جنوری ۲۰۰۹ _____

کے خلاف ہے۔ اس آیت میں ملت کا لفظ توحید اور شرک سے اجتناب اور اطاعت الہی کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے سنت کا مفہوم مراد نہیں لیا جاسکتا۔ چنانچہ غامدی صاحب کا اس آیت کو سنت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

”غامدی صاحب نے اپنی بیان کردہ تعریف سنت کے ثبوت کے لیے سورۃ النحل کی درج ذیل آیت کو بطور دلیل بیان کیا ہے:

”ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا، وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ.
پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ حضرت
ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں جو بالکل یک سوختے
اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“
(النحل: ۱۲۳)

غامدی صاحب بحث ”سنت“ کی کر رہے ہیں اور دلیل ایک ایسی آیت کو بنا رہے ہیں جس میں لفظ ”ملت“ استعمال ہوا ہے، حالانکہ یہاں پر ”ملت ابراہیم“ سے مراد بالکل بھی سنت ابراہیمی (وہ ستائیس چیزیں جو کہ غامدی صاحب نے بیان کی ہیں) نہیں ہے۔ ”سنت“ کا لفظ جزئیات پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، جبکہ ملت کے لفظ کا اطلاق جزئیات پر نہیں ہوتا، مثلاً یہ کہنا غلط ہوگا کہ نماز میں ہاتھ باندھنا ملت ہے، کیونکہ ”سنت“ کے لفظ کی نسبت جزئیات کی طرف ہو جاتی ہے جبکہ ”ملت“ کی نسبت جزئی امور کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی یا مجموعی امور کی طرف ہوتی ہے۔... ملت کا لفظ قرآن میں معمولی سے فرق کے ساتھ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں ”ملت ابراہیم“ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی وہ مجموعی ہیئت ہے جو کہ دین اسلام کی بنیادی اور تمام انبیاء کے ہاں متفق علیہ تعلیمات پر عمل کرنے، خصوصاً ہر قسم کے شرک سے اجتناب کرنے اور اللہ کا انتہائی درجے میں فرماں بردار ہو جانے کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔... لفظ ملت کا ترجمہ ”دین“ تو کیا جاسکتا ہے... اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کا اصل معنی بھی اطاعت اور فرمانبرداری ہی ہے، لیکن ملت کا ترجمہ ”سنت“ کسی طرح نہیں بنتا۔... لفظ ملت کا ترجمہ ”سنت“ سے کرنا عربی زبان سے لاطینی اور قرآنی اصطلاحات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔“ (فکر غامدی ۵۲-۵۳، ۵۷)

فاضل ناقد کا یہ اعتراض سنت کے بارے میں ”میزان“ کے مندرجات کے سوء فہم پر مبنی ہے۔ غامدی صاحب نے ”اصول و مبادی“ میں جن دو مقامات پر یہ آیت نقل کی ہے، وہاں لفظ ملت کا ترجمہ سنت ہرگز نہیں کیا ہے۔ انھوں نے ”مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ“ کا ترجمہ ”ملت ابراہیم“ ہی کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

”ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا، وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ.
پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو
بالکل یک سوختا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔“
(النحل: ۱۲۳)

(میزان ۱۲)

جہاں تک ملت کے مفہوم کا تعلق ہے تو ان دونوں مقامات سے واضح ہے کہ ملت ابراہیم سے ان کی مراد دین ابراہیم ہے۔ چنانچہ ان مباحث میں انھوں نے جا بجا ”سنت ابراہیمی“ کے نہیں، بلکہ ”دین ابراہیمی“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ سنت ان کے نزدیک دین ابراہیمی یا ملت ابراہیمی ہی کا ایک جز ہے۔ یہ درحقیقت دین ابراہیم کے ان احکام پر مشتمل ہے جو بنی

_____ ماہنامہ الشریعہ (۳۸) جنوری ۲۰۰۹ _____

اسماعیل میں پہلے سے رائج اور معلوم و متعین تھے اور نسل در نسل چلتی ہوئی ایک روایت کی حیثیت سے متعارف تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجدید و اصلاح کی اور ان میں بعض اضافوں کے ساتھ انھیں مسلمانوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں:

”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔“ (میزان ۱۴)

”... دین ابراہیمی کی روایت کا یہ حصہ جسے اصطلاح میں سنت سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن کے نزدیک خدا کا دین ہے اور وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیتا ہے تو گویا اُس کو بھی پورا کا پورا اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔“ (میزان ۳۶)

فاضل ناقد کی یہ بات بھی درست نہیں ہے کہ غامدی صاحب نے سنت کے معنی و مصداق کے لیے مذکورہ آیت کو اصل بنائے استدلال کے طور پر پیش کیا ہے۔ اصول و مبادی کے مندرجات سے پوری طرح واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ آیت فقط اس بات کا حوالہ ہے کہ قرآن کے علاوہ دین ابراہیمی کی روایت کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں جاری فرمایا ہے۔ جہاں تک فاضل ناقد کے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ ملت کے جامع لفظ سے بطور تائید ہی سہی، سنت کا جزوی مفہوم اخذ کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے تو اس ضمن میں ہماری گزارش یہ ہے کہ زبان و بیان کے مسلمات کی رو سے یہ بھی جائز ہے کہ متکلم کوئی وسیع الاطلاق لفظ یا اصطلاح استعمال کر کے اس کے کسی ایک جز یا ایک اطلاق کو مراد لے رہا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ مخاطب کسی وسیع الاطلاق لفظ کے جملہ اطلاقات میں سے جو اس کے مفہوم کو پوری طرح شامل ہوں، کسی ایک اطلاق کو بیان کرنے پر اکتفا کرے۔ گویا کل کو بول کر جز بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور بولے گئے کل سے اس کے کسی جز پر استدلال بھی کیا جاسکتا ہے۔ تفہیم مدعا کے لیے سورہ بینہ کی درج ذیل آیت کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ۖ ”ان (اہل کتاب کو) یہی ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اللہ کی الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا ۖ عِبَادَتِ كَرِيں، اطاعت کو اس کے لیے خالص کرتے الزَّكَاةَ وَذَلِكِ دِينُ الْقِيَمَةِ. (۵:۹۸) ہوئے، پوری یک سوئی کے ساتھ، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی دین قیم (سیدھی ملت کا دین) ہے۔“

اس آیت کو پڑھ کر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس کی رو سے ’دین قیما کا اطلاق فقط تین چیزوں، یعنی اللہ کی عبادت، نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر ہوتا ہے اور عقائد و اعمال کی دیگر چیزیں، مثلاً توحید، رسالت، آخرت، روزہ، حج، اور قربانی وغیرہ دین قیم کے اطلاق میں شامل نہیں ہیں تو اس کی بات کو کسی طرح بھی درست قرار نہیں دیا جائے گا۔

فاضل ناقد کے مذکورہ اعتراض کا ایک جز یہ بھی ہے کہ ملت ابراہیم کے الفاظ سے دین ابراہیمی کی روایت مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس سے مراد بالخصوص دین کی اساسی تعلیمات، یعنی توحید، شرک اور اطاعت الہی ہیں۔ ہمارے نزدیک فاضل ناقد کے اس موقف کی نفی لفظ کے لغوی مفہوم اور آیت کے سیاق و سباق ہی سے ہو جاتی ہے۔ لغت کے مطابق، جیسا کہ فاضل ناقد نے خود تسلیم کیا ہے، لفظ ’ملت‘ ایک جامع لفظ ہے جو اصولی تصورات کے علاوہ عملی احکام کو بھی شامل ہے:

”لسان العرب“ میں ہے:

_____ ماہنامہ الشریعہ (۳۹) جنوری ۲۰۰۹ _____

والملة: الشريعة والدين... الملة: الدين ”شريعة اور دین کا نام ملت ہے۔... ملت، ملت اسلام، ملت کملہ الاسلام والنصرانية واليهودية، نصرانیہ اور ملت یہودیہ کی طرح ایک دین کا نام ہے۔ یہ وقیل: ہی معظم الدين، وجملة ما یجئ بھی کہا گیا ہے کہ بنیادی اور جملہ اجزائے دین کو ملت کہتے بہ الرسل... قال ابو اسحق: الملة فی ہیں جس کو رسول لے کر آتے ہیں۔... ابواسحاق کہتے ہیں اللغة سنتهم و طریقهم. (۶۳۱/۱۱-۶۳۲) کہ لغت میں ان کی سنت اور طریقے کو ملت کہتے ہیں۔“

سورہ نحل کی مذکورہ آیات میں سیاق و سباق کی رو سے عملی پہلو مراد ہیں۔ اس مقام پر اصل میں ان مشرکانہ بدعات کی تردید کی گئی ہے جو بعض جانوروں کی حرمت کے حوالے سے مشرکین عرب میں رائج تھیں اور جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ انھیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی نے جاری فرمایا تھا۔ اس ضمن میں انھوں نے اپنے طور پر ایک پوری شریعت وضع کر رکھی تھی۔ مثال کے طور پر وہ منٹوں اور نذروں کے لیے خاص کیے گئے جانوروں پر اللہ کا نام لینا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان پر سوار ہو کر حج کرنا ممنوع تھا۔ وہ اپنی کھیتوں اور جانوروں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے اور ایک حصہ دیوی دیوتاؤں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔ نذروں اور منٹوں کے لیے مخصوص جانوروں میں سے مادائیں جو بچہ جنتیں، اس کا گوشت عورتوں کے لیے ناجائز اور مردوں کے لیے جائز تھا، لیکن اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو یا بعد میں مرجائے تو پھر اس کا گوشت عورتوں کے لیے بھی جائز ہو جاتا تھا۔ قرآن مجید نے ان مشرکانہ بدعات اور ان کی سیدنا ابراہیم سے نسبت کی نہایت سختی سے تردید کی۔ یہ اس آیت کا پس منظر ہے۔ اس پس منظر میں اگر آیت کا مطالعہ اس کے سیاق و سباق کے ساتھ کیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہوتی ہے کہ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ کا حکم اصل میں عملی احکام ہی کے تناظر میں آیا ہے۔ ارشاد فرما رہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ”تو اللہ نے تمہیں جو چیزیں جائز و پاکیزہ دے رکھی ہیں، وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ ان میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْحَنْزِيرِ وَمَا اَهْلَ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ... وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السِّتْنُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَلٌ وَهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ... وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ... اِنَّ اِبْرٰهٖمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ شَاكِرًا لِّاَنْعَمَ بِهِ، اِجْتَبَاهُ وَهٰذِهِ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ... ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ

_____ ماہنامہ الشریعہ (۴۰) جنوری ۲۰۰۹ _____

مِنَ الْمُشْرِكِينَ. إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَىٰ
الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. (النحل: ۱۲-۱۳)

فرمائی۔... پھر ہم نے تمہاری طرف وحی کی کہ ملت
ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سوتھے اور وہ مشرکین
میں سے نہ تھے۔ سبت انہی لوگوں پر عائد کیا گیا تھا جنہوں
نے اس کے باب میں اختلاف کیا، اور بے شک، تمہارا

رب ان چیزوں کے باب میں جن میں وہ اختلاف کرتے
رہے ہیں، قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ فرمائے
گا۔“

’اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا‘ کی تفسیر میں جلیل القدر اہل علم نے ملت سے فقط اصولی تصورات مراد نہیں لیے، بلکہ عملی
پہلووں کو نمایاں طور پر شامل سمجھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر کی ہے۔
ابن قیم نے ملت کو توحید کے مفہوم میں لینے کی صریح طور پر تردید کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد دین ہے اور
اس کے مفہوم میں عقائد کے ساتھ اعمال بھی شامل ہیں:

”تم اگر یہ کہتے ہو کہ ملت سے مراد توحید ہے (تو یہ درست نہیں ہے)۔ ملت سے مراد دین ہے اور دین اقوال،
افعال اور اعتقاد کے مجموعے کا نام ہے۔ جس طرح ایمان ملت کے مفہوم میں داخل ہے، اسی طرح اعمال بھی اس کے
مفہوم میں داخل ہیں۔ پس فطرت کا نام ملت ہے اور وہ دین ہے۔ یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ
السلام کے اعمال اور عادات فطرت کو چھوڑ کر صرف کلمہ کی پیروی کرنے کا حکم فرمائیں۔“ (تختہ المولود ۱۰۶)

امام رازی نے ملت سے شریعت مراد لیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ملت ابراہیم ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے:
” (پھر اگر یہ کہا جائے کہ) آیت کا ظاہر تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ابراہیم علیہ
السلام کی شریعت یکساں ہے اور اس بنا پر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی مستقل شریعت کے حامل نہ ہوئے، جبکہ تم ایسا نہیں
کہتے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات درست ہے کہ ملت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ملت ابراہیم داخل ہے کچھ اچھے زوائد اور بہتر
فوائد کے ساتھ۔“ (تفسیر کبیر ۵۷۱)

امام ابن حزم نے اسے شریعت کے معنوں میں لیا ہے اور واضح کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی شریعت کو لے کر آئے
جس پر سیدنا ابراہیم عمل پیرا تھے:

”حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت بعینہ وہی شریعت ہے جو ہماری ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ابراہیم علیہ السلام تمام
لوگوں کی طرف بھیجے گئے تھے، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی شریعت کے ساتھ تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے
جس کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام بالخصوص اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے نہ کہ اپنے ہم عصر تمام لوگوں کی طرف۔ ہم پر ملت
ابراہیم کی پیروی لازم ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے ساتھ ہماری طرف بھیجے گئے ہیں، نہ کہ اس لیے کہ
ابراہیم علیہ السلام اس کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔“ (ابن حزم، الاحکام ۱۶۵/۲-۱۶۶)

بیضاوی نے ملت ابراہیم سے ملت اسلام کو مراد لیا ہے:
”فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ“ یعنی ملت اسلام (کی پیروی کرو) جو اصل میں ملت ابراہیم ہے یا اس کی مثل ہے۔“

(تفسیر البیضاوی ۱/۱۳۸)

شاہ ولی اللہ نے حج جیسی عملی عبادت کو فَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا، ہی کے حکم کے تحت شامل کیا ہے:
 ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ملت حنیفیہ ہی کے احیا اور قیام کے لیے ہوئی ہے اور اسی کا بول بالا کرنے کے لیے آپ اس دنیا میں تشریف لائے۔ قرآن مجید میں ہے: ”مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهٖمَ“ اس لیے یہ ضروری تھا کہ جو مناسک وہ بجالائے ہیں اور ان کی لائی ہوئی شریعت کے شعائر ہیں، ان کو من و عن قائم رکھا جائے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عربوں کو موقف میں دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو، کیونکہ یہ مناسک تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی میراث ہے۔“ (حجۃ اللہ البالغہ ۲/۹۸)

”تفسیر مظہری“ میں شریعت کو ملت کے مفہوم میں شامل کر کے بیان کیا گیا ہے:
 ”مِلَّة“ کا لفظ دین کی طرح ہے اور یہ اس چیز کے لیے اسم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے انبیاء کی زبان سے شریعت کے طور پر جاری کیا ہوتا کہ وہ قرب کے مدارج اور دنیا و آخرت کی صلاح تک پہنچ سکیں۔“ (تفسیر مظہری ۲/۹۴)

”وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ“۔ اس میں حضرت ابراہیم کو خاص کیا ہے باوجود اس کے کہ تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے، جبکہ حضرت ابراہیم نے اپنی جان، اپنے اعضا اور قوی ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لیے صرف کیے، اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہو کر اور اس کے علاوہ سب سے اعراض کرتے ہوئے، اس لیے کہ تمام امتوں کا ہر دین کے معاملے میں ان کے نبی برحق اور محمود ہونے پر اتفاق ہو جائے اور دین اسلام اعمال کی فروع میں ان کی شریعت کے موافق ہو، جیسا کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا، اس کا طواف کرنا، مناسک حج، ختنہ اور حسن ضیافت اور اس کے علاوہ وہ کلمات جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کر دیا وغیرہ۔“ (۴۶۱/۲)

”تفسیر عثمانی“ میں حلال و حرام کو ملت کے مفہوم میں شامل تصور کیا گیا ہے:

”... مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے۔“ (۳۶۴)

مفتی محمد شفیع کی تفسیر سے واضح ہے کہ وہ شریعت اور احکام کو ملت کے مفہوم میں شامل سمجھتے ہیں:

”حق تعالیٰ نے جو شریعت و احکام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی بعض خاص احکام کے علاوہ اس کے مطابق رکھی گئی۔“ (معارف القرآن ۵/۴۰۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ملت ابراہیم کے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی تعبیر اختیار کی ہے:

”... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، وہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ملت ابراہیمی میں وہ چیزیں حرام نہ تھیں جو یہودیوں کے ہاں حرام ہیں۔ مثلاً یہودی اونٹ نہیں کھاتے، مگر ملت ابراہیمی میں وہ حلال تھا۔ یہودیوں کے ہاں شتر مرغ، بط، خرگوش وغیرہ حرام ہیں، مگر ملت ابراہیمی میں یہ سب چیزیں حلال تھیں۔“ (تہذیب القرآن ۲/۵۸۰)

اس تفصیل سے یہ بات ہر لحاظ سے واضح ہو گئی ہے کہ ملت ابراہیمی سے مراد دین ابراہیمی ہے اور اس کے مشمولات میں فقط اصولی تصورات نہیں، بلکہ احکام و اعمال بھی شامل ہیں۔ (جاری)

_____ ماہنامہ الشریعہ (۴۲) جنوری ۲۰۰۹ _____